عدالت اپیل اس فیصلے کو رد کر دے تو اس کا یہ قول قابل قبول نہ ہوگا[1]

پنجم: اگر فریق مخالف یہ کہے کہ جن گواہوں کی بنا پر قاضی نے فیصلہ دیا ہے انہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا ہے۔ تو بھی عدالت اپیل اس کی اس بات کو رد کر دے گی[2]

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام کا نظام عدل فریق مقدمہ کو جس کے خلاف قاضی نے فیصلہ دیا ہو حق دیتا ہے کہ وہ قاضی کے فیصلے کے خلاف متعلقہ عدالت اپیل میں اپیل دائر کرے اس سے ایک تو مذکورہ فریق مقدمہ کو حصول حق میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی دوسرا قاضی کو بھی محتاط ہونا پڑتا ہے کہ وہ مقدمہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر شرعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرے۔

نیز یہ حق الا فعہ وہ شخصی حق ہے جو سینکڑوں سال قبل اسلام نے فرد کو عطا کیا اور اس کے بعد یہ حق آج تمام دنیا کے ممالک میں خواہ وہاں کوئی بھی قانون نافذ ہو تمام شہریوں کو دیا گیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپیل کو اتنا مرحلہ وار طوالت دے دی جائے کہ جس میں مدعی اور مدعا علیہ کے لیے حصول انصاف بہت مشکل اور مہنگا ہو جائے۔ جیسا کہ پاکستان کے عدالتی نظام میں ہے کہ ایک سول جج یا مجسٹریٹ جب کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے فیصلے کے خلاف اپیل سیشن جج کی عدالت میں اور پھر سیشن جج کے فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں اور پھر ہائی کورٹ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی جا سکتی ہے[3]

اس طرح ایک مقدمہ کے حتمی فیصلے کے نفاذ تک مدعی و مدعا علیہ بہت زیادہ وقت صرف کر دیتے ہیں اور پھر کہیں انہیں انصاف میسر آتا ہے اور کبھی کبھار اتنی محنت شاقہ کے باوجود حقدار کو اس کا حق بھی نہیں ملتا بلکہ حق کی مالیت سے زیادہ حق کے حصول پر سرمایہ لگا دیا جاتا ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ مجرم کو بھی اس کے جرم کی سزا نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں جرائم کی شرح بہت

---

[1] علاؤ الدین ابو الحسن علی بن خلیل الطرابلسی معین الاحکام، ص ۳۴

[2] ایضاً

[3] کن مقدمات میں اپیل ہو سکتی ہے اور کہاں ہو سکتی ہے اور کن میں نہیں۔ اس کی تفصیل مجموعہ ضابطہ فوجداری (پاکستان) کی دفعہ ۴۰۵ - ۴۱۵ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

زیادہ ہے۔ کیونکہ اس نظام میں مجرم کو اس کے جرم کی سزا بر وقت نہیں دی جاتی بلکہ بعض لوگ اسی طوالت اپیل کی بنا پر اور ان اعلیٰ عدالتوں کے اخراجات ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے یا تو درمیان کی کسی عدالت کے فیصلے کو بالاکراہ قبول کر لیتے ہیں یا پھر صلح پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

اسلام کے تصور اپیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عدلیہ کے فیصلوں میں اپیل کا حق صرف ایک مرحلہ کا ملنا چاہیے۔ ہر سطح کی عدالت کا دائرہ کار متعین ہونے کے بعد ان کی اپیلیں صرف عدالت عالیہ میں ہوں یا مقدمات کو محدود کر کے بعض مقدمات کی آخری عدالت اپیل سیشن جج کی عدالت کر دی جائے۔ البتہ وہ مقدمات جو براہ راست عدالت عالیہ میں فیصل ہوں ان کی اپیل صرف عدالت عظمیٰ میں ہو۔

اس تصور سے نہ صرف حق دار کو جلد حق مل سکتا ہے بلکہ مجرم کو بھی بلا تاخیر سزا مل سکتی ہے۔ نیز اسی وجہ سے معاشرے میں جرائم کی شرح پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ البتہ وہ مقدمات جو انتظامی نوعیت کے ہوں اور انتظامی افسران کا فیصلہ کریں ان کے لیے اپیل کی پہلی عدالت سیشن جج کی عدالت ہو اور آخری عدالت اپیل عدالت عالیہ ہو۔ یہ اس لیے کہ انتظامی افسران میں ظلم کا شائبہ زیادہ ہو سکتا ہے۔

علم تفسیر کی ضرورت

محمد رفیق چودھری

قرآن مجید کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس کے احکامات کے مطابق عمل کرنے کے لیے علم بہت ضروری ہے اور اس بات پر علمائے اسلام کے درمیان کبھی اختلاف نہیں رہا بلکہ سب کا اتفاق ہے لیکن افسوس ہمارے زمانے کے کچھ فلسفہ زدہ لوگ اس کی اہمیت و ضرورت کے منکر ہیں، حالانکہ تفسیر کے بغیر قرآن فہمی ممکن ہی نہیں۔

تفسیر کے لغوی معنی کھولنے اور واضح کرنے کے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ انہی لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا۔

(الفرقان: ۳۳)

(اور یہ لوگ جو اعتراض بھی کریں گے ہم اُس کا صحیح اور واضح جواب آپ کو بتا دیں گے)۔

سیاق کلام کی رو سے آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخالفین قرآن کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ وہ قرآن مجید کے خلاف جو اعتراض بھی اٹھائیں گے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنکو اس کا صحیح، واضح اور مسکت جواب دیا جائیگا۔ اس آیت سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ قرآن مجید اپنی تفسیر آپ ہے اور اسے سمجھنے کیلئے تفسیر کی کوئی ضرورت نہیں۔

اسلامی اصطلاح میں تفسیر سے مراد قرآن مجید کے معنی و مفہوم کو واضح کرنا ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید پر ایمان لائے، اس کے احکامات پر عمل کرے اور اس کے بتائے ہوئے طریق زندگی کی پیروی کرے۔ قرآن مجید میں اَطِیعُوا اللّٰہَ (اللہ کی اطاعت کرو۔ النساء ۵۹) کا جو بار بار حکم آیا ہے اس سے یہی مراد ہے۔

اگرچہ قرآن حکیم اپنی نسبت یہ کہتا ہے کہ وہ ایک واضح کتاب، فصیح وبلیغ کلام اور ہدایت ونصیحت حاصل کرنے کے لیے بہت آسان اور سہل ہے۔ لیکن یہ معاملہ صرف اصول وکلیات کا ہے اور نیکی و بدی میں امتیاز کرنے، حق وباطل کا فرق کرنے اور راہِ ہدایت کو واضح کرنے کی حد تک ہے۔ مگر جہاں تک قرآنی امور واحکام کی حکمتوں کو سمجھنے اور اُن کی تفصیلات وجزئیات جاننے کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اس پہلو سے قرآن مجید اتنا آسان اور واضح نہیں ہے۔ ایک ذہین شخص اپنی ساری عمر قرآن فہمی میں کھپا کر بھی قرآنی علوم ومعارف میں مہارت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں بہت سے امور واحکام ایسے مجمل انداز میں بیان ہوئے ہیں کہ ان کو سمجھنا بہت مشکل اور عملی طور پر اُن کی پیروی نہایت دشوار ہے۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے کہ ہم قرآن مجید کو علم تفسیر کی مدد کے بغیر صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتے، درج ذیل مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ نماز نماز اسلام کا بنیادی رکن ہے اور قرآن میں مسلمانوں کو اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ یعنی نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے (الحج ۷۸)۔ لیکن قرآن مجید میں نہ کہیں نمازوں کی تعداد بیان ہوئی ہے نہ یہ بتایا گیا ہے کہ ہر نماز میں کتنی رکعتیں پڑھنی ہیں۔ نماز کا آغاز اور اختتام کیسے ہوگا، نماز کے دوران میں کیا کلمات پڑھے جائیں گے۔ نماز پڑھنے کا عملی طریقہ بھی مذکور نہیں ہوا۔ سجدہ پہلے ہوگا یا رکوع پہلے کیا جائے گا اور کن افعال کے کرنے کا نام اقامت صلوٰۃ ہے۔ ان ساری تفصیلات کو جانے بغیر نماز کے قرآنی حکم پر عمل ممکن نہیں ہے اور انہی تفصیلات کو جاننا اقامتِ صلوٰۃ کے قرآنی حکم کی تفسیر ہے۔ جب تک ہم اقامت صلوٰۃ کی پوری تشریح وتفسیر نہیں جانتے ہم وہ نماز نہیں پڑھ سکتے جس کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

تفسیر کا انکار کر کے ہم نماز جیسے اسلام کے ایک بنیادی حکم پر عمل نہیں کر سکتے۔

منکرینِ تفسیر نے یہاں پر ایک مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اقامت صلوٰۃ قرآنی حکم ہے اور اسے اس کی پوری تفصیلات (نمازوں کی تعداد، رکعتیں، طریقہ نماز وغیرہ) کے ساتھ ادا کرنا اس کی تعمیل ہے تفسیر نہیں ہے۔ گویا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مشروع نماز قرآنی حکم کی تعمیل ہے تفسیر نہیں ہے۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کو یہ خبر نہیں کہ اقامت صلوٰۃ ایک خاص قرآنی اصطلاح ہے جس کا شرعی مفہوم ہمیں علم تفسیر کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور جب تک وہ شرعی مفہوم ہمیں

معلوم نہ ہو ہم اس حکم کی تعمیل کرنے سے قاصر ہیں۔ تعمیل سے پہلے تفسیر ضروری ہے تاکہ ہم کہیں پانچ فرض نمازوں کی بجائے چار یا چھ فرض نمازیں نہ پڑھیں اور چار رکعتوں کی بجائے آٹھ یا دس رکعتوں والی نماز ادا نہ کرنے لگیں۔ کہیں کھیل کود اور کسی جسمانی ورزش ہی کو اقامتِ صلوٰۃ سمجھ کر اس قرآن حکیم کی تعمیل کرنے نہ لگ جائیں اور ہر مسلمان اقامت صلوٰۃ کی تعمیل ایسے ایسے طریقے سے کرتا ہوا نظر آئے کہ اسلام کی اصل مشروع نماز سرے سے غائب ہو جائے۔

۲۔ زکوٰۃ اب اسلام کے ایک اور بنیادی رکن زکوٰۃ کو لیجئے۔ قرآن حکیم نے اس کے لیے اٰتُوا الزَّکٰوۃَ (زکوٰۃ ادا کرو) کا حکم دیا ہے۔ لیکن پورے قرآن میں اس کی کہیں وضاحت موجود نہیں کہ کیا روزانہ زکوٰۃ دینی ہے یا ماہانہ یا سالانہ یا عمر میں ایک مرتبہ۔ کس قسم کے مال پر زکوٰۃ ہے اور کس قسم کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب اور شرح کیا ہے۔ ان تمام امور کو قرآن نے واضح نہیں کیا ہے۔ غور کیجئے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ کس قسم کے مال پر کب اور کتنی زکوٰۃ ہوگی اُس وقت تک ایتائے زکوٰۃ کے قرآنی حکم پر عمل درآمد کیسے ہو سکتا ہے؟ زکوٰۃ کے بارے میں مذکورہ بالا امور کی وضاحت ہمیں علم تفسیر کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے تفسیر کے بغیر زکوٰۃ کے قرآنی حکم کی تعمیل ناممکن ہے۔ تفسیر کا انکار کرکے ہم زکوٰۃ جیسا اہم دینی فریضہ سرانجام نہیں دے سکتے۔

۳۔ چوری کی سزا قرآن مجید میں چوری کے بارے میں یہ حکم آیا ہے کہ:

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ (المائدہ: ۳۸)

(اور چوری خواہ مرد کرے یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہی اُن کے کیے کا بدلہ اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے۔ اور اللہ سب پر غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔)

مگر یہ آیت مجمل ہے اور جب تک اس سے متعلق عملی تفصیلات (جسے دوسری لفظوں میں تفسیر کہا جائے گا) سامنے نہ ہوں اس قرآنی حکم پر عمل مشکل ہے۔ اس حکم کی تعمیل سے پہلے کم سے کم درج ذیل امور کی وضاحت ضروری ہے۔

۱۔ چوری کی کیا تعریف ہے اور کس فعل کو چوری کہا جائے گا۔

۲۔ چوری پر مذکورہ سزا دینے کے لیے مال کا کیا نصاب ہے۔ کم سے کم کتنی مالیت کی چوری پر

اس سزا کا اطلاق ہوگا۔

۳۔ مسروقہ مال کی کیفیت کیا ہوگی۔ کیا صرف محفوظ جگہ سے چرائے ہوئے مال پر چوری کا اطلاق ہوگا یا عام راستے میں پڑے ہوئے غیر محفوظ مال کی چوری پر بھی یہی سزا دی جائے گی۔

۴۔ چور کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں گے یا صرف ایک ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر ایک ہاتھ کاٹا جائے گا تو وہ دایاں ہوگا یا بایاں۔

۵۔ ید (ہاتھ) سے کیا مراد ہے۔ انگلیوں تک، کلائی تک، کہنی تک یا پورا بازو۔ ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا؟

جب تک یہ تمام امور واضح نہ ہوں کسی چور کو مذکورہ سزا نہیں دی جا سکتی۔ اور ان تمام امور کی وضاحت ہمیں علم تفسیر سے ملتی ہے جس کے بعد قرآنی حکم پر عمل ممکن ہوتا ہے۔ اس لیے تفسیر کا انکار کر کے ہم اس قرآنی حکم کی تعمیل سے قاصر ہیں۔

۴۔ اِفک کا واقعہ

تفسیر کے بغیر قرآن مجید کو سمجھنا کتنا مشکل ہے اس کا ایک اندازہ واقعہ افک سے بھی کیا جا سکتا ہے جو قرآن کی سورۂ نور میں مجمل طور پر بیان ہوا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ ط لَا تَحْسَبُوْہُ شَرًّا لَّکُمْ ط
بَلْ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ط لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْھُمْ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ج
وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ہ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ
ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِھِمْ خَیْرًا لا وَّقَالُوْا ھٰذَآ
اِفْکٌ مُّبِیْنٌ ہ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْہِ بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ ج فَاِذْ لَمْ
یَاْتُوْا بِالشُّھَدَآءِ فَاُولٰٓئِکَ عِنْدَ اللّٰہِ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ہ وَلَوْلَا
فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ لَمَسَّکُمْ فِیْ
مَآ اَفَضْتُمْ فِیْہِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ہ اِذْ تَلَقَّوْنَہٗ بِاَلْسِنَتِکُمْ
وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاھِکُمْ مَّا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَہٗ
ھَیِّنًا ق صلے وَّھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمٌ ہ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ قُلْتُمْ

مَا يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ق صلے سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ٥ (النور آیات ۱۱ تا ۱۶)

(جن لوگوں نے جھوٹی بات پھیلائی وہ تمہارے ہی اندر کا ایک گروہ ہے۔ البتہ اس (واقعہ) کو اپنے حق میں بُرا بھی نہ سمجھو، بلکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہوا۔ تم میں سے جس نے جتنا گناہ سمیٹا، وہ اُس کی سزا بھگتے گا۔ اور جو شخص اس فتنے کا سرغنہ ہے اس کے لیے اتنا ہی بڑا عذاب ہے۔ جب تم نے ایک نازیبا بات سنی تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے ایک دوسرے کے بارے میں نیک گمان کیوں نہ کیا اور سنتے ہی کیوں نہ کہا کہ یہ تو صریح بہتان ہے اور وہ لوگ چار گواہ کیوں نہ لائے۔ تو جب وہ گواہ نہیں لائے تو جھوٹے ہیں۔ اگر تم پر دنیا اور آخرت میں فضل نہ ہوتا تو اس معاملے میں تم پر کوئی سخت عذاب آجاتا۔ تم اپنی زبان سے جھوٹی بات ایک دوسرے تک پہنچاتے تھے اور منہ سے ایسی بات نکال رہے تھے جس کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہ تھا۔ تم اسے معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی سخت بات تھی۔ کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ "ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنے کا حق نہیں۔ یہ تو بڑا بہتان ہے)"

ان آیات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں درج ذیل امور معلوم ہو جائیں:

۱۔ کس گروہ نے یہ واقعہ گھڑا اور لوگوں میں پھیلایا تھا؟

۲۔ اس فتنے کا سرغنہ کون تھا؟

۳۔ یہ واقعہ کس خاتون یا مرد سے متعلق تھا؟

۴۔ اس میں "بہتان عظیم" سے کیا مراد ہے؟

۵۔ یہ واقعہ کب، کہاں اور کیسے پیش آیا؟

جب تک مذکورہ امور واضح نہ ہو جائیں اس واقع کی گرہ نہیں کھلتی اور یہ صحیح طور پر سمجھ میں نہیں آسکتا اور یہ سب کچھ تفسیر کے بغیر واضح نہیں ہوتا۔ علم تفسیر کا انکار کر کے ہم قرآن حکیم کے اس مقام کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

۵۔ اصحاب فیل کا واقعہ ایک اور واقعاتی مثال سامنے لائیے۔ منکرین تفسیر سورۂ فیل

کے مفہوم و مطلب کو سمجھنے کا کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں۔ سورۂ فیل یہ ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ؕ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۙ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۙ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ؏

(کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے ربّ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اُن کی چال کو ناکام نہیں بنا دیا؟ جب اُس نے پرندوں کے بہت سے جھنڈ اُن پر مسلّط کر دیے، جو ان پر کنکر کی پتھریاں برساتے تھے۔ پھر اللہ نے اُنہیں کھائے ہوئے بھُس کی طرح تباہ کر دیا)۔

ان آیات کو پڑھتے ہوئے ایک عام ذہن میں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ:

۱۔ یہ اصحاب فیل (ہاتھی والے) کون لوگ تھے؟

۲۔ انہوں نے کون سی خفیہ تدبیر (کید) کی تھی جو اللہ تعالیٰ نے ناکام بنا دی؟

۳۔ یہ واقعہ کب، کہاں اور کیسے پیش آیا؟

جب تک ان سوالات کے جوابات میسر نہ آجائیں یہ واقعہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اور ان سوالوں کے جوابات ہمیں تفسیر میں مل جاتے ہیں جس کے بعد یہ واقعہ واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے اور ہم سورۂ فیل کے مضمون کو سمجھ سکتے ہیں۔ تفسیر کا انکار کر کے ہم سورۂ فیل کے مفہوم سے آشنا نہیں بن سکتے۔

۶۔ سورۂ لہب

سورۂ لہب بھی قرآن مجید کی ایک مختصر سورہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ؕ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ؕ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ؏

(ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہوا۔ نہ اُس کا مال اُس کے کام آیا اور نہ اُس کی اولاد کام آئی۔ وہ عنقریب شعلوں والی آگ میں پڑے گا۔ اُس کے ساتھ اُس کی بیوی ہوگی جو ایندھن ڈھونے والی ہے۔ جس کی گردن میں کھجور کی بٹی ہوئی مضبوط رسّی پڑی ہوگی)

اس سورۂ کو پڑھتے ہوئے بھی ایک عام قاری کے ذہن میں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ:

۱ ۔ یہ ابولہب کون تھا اور کس دور میں ہو گزرا ہے؟
۲ ۔ اس بیچارے کا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں اُسے دوزخ کی سزا سنائی گئی ہے؟
۳ ۔ اس کی بیوی کون تھی اور وہ بھی کیوں دوزخ میں جائے گی۔

جب تک ان سوالوں کے جوابات معلوم نہ ہو جائیں سورت کا مضمون واضح نہیں ہوتا اور ان کے صحیح جوابات حاصل کرنے کے لیے تفسیر کی ضرورت ہے۔ تفسیر ان سب کے تسلی بخش جوابات دیتی ہے اس لیے تفسیر سے محرومی قرآن فہمی سے محرومی کا باعث بنتی ہے۔ ورنہ منکرین تفسیر اس سورہ کے مضمون کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟

مذکورہ بالا چند مثالوں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جو لوگ تفسیر کے مخالف ہیں وہ دراصل قرآن فہمی کے مخالف ہیں کیونکہ فہم قرآن کے لیے علم تفسیر ازبس ضروری اور ناگزیر ہے۔ اب جن لوگوں کے ہاں قرآن مجید بھی فلسفے کی عام کتابوں کی طرح ایک کتاب ہے اور جنہیں قرآن مجید سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے وہ تو علم تفسیر سے بے نیاز اور مستغنی ہو سکتے ہیں اور اپنی ذاتی رائے کو قرآنی تعلیم قرار دینے میں بھی انہیں کوئی باک نہیں ہو سکتا لیکن جو مسلمان قرآن مجید کو اپنے ایمان کا حصّہ اور اپنی عملی زندگی کے لیے خدائی ضابطہ سمجھتے ہیں اُن کے لیے تفسیر کو جاننا اتنا ہی ضروری ہے جتنا قرآن مجید کو جاننا۔ کیونکہ قرآن مجید کو جاننا تفسیر جاننے پر موقوف ہے۔ تفسیر معلوم ہو گی تو قرآن بھی سمجھ میں آئے گا۔ ورنہ تفسیر سے بے نیازی فہم قرآن سے دوری کا سبب بنے گی۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے مفسّرِ قرآن ہیں

جو کم سواد تفسیر کو بیکار اور فضول کام سمجھتے ہیں

انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے سب سے پہلے مفسّر ہیں۔ اور اُن کی تفسیر کا نام حدیث و سنت ہے۔ اگر تفسیر ایک عبث چیز ہے تو نعوذ باللہ اس عبث کام کے اوّلین مرتکب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بلکہ حاکم بدہن اللہ تعالیٰ نے خود اس عبث فعل کا آغاز کیا اور حضورؐ کو تعلیم کتاب، تبیین ذکر اور قرآن کی تفسیر کی ذمہ داری سونپی۔

ارشادِ خداوندی ہے کہ:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ق وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (الجمعہ : ۲)

اُسی (اللہ) نے (عرب کے) ان پڑھ لوگوں میں اُنہی میں سے اپنا ایک اُمّی رسولؐ مبعوث کیا۔ جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سُناتا، ان کا تزکیہ کرتا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ لوگ کُھلی گمراہی میں (پڑے ہوئے) تھے۔

یہ تعلیم کتاب قرآن مجید کی شرح و تفسیر ہے جو حضورؐ نے ۲۳ سالہ پیغمبرانہ دور میں اپنے قول و فعل سے فرمائی تھی اور یہ حضورؐ کی رسالت کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد تھا۔ کہ آپ سب لوگوں کے سامنے قرآنی تعلیمات واضح فرمائیں اور ان کو احکامات پر عمل کرنے کے صحیح طریقے سکھائیں۔ اسی بات کو قرآن مجید نے دوسری جگہ یوں بیان کیا ہے کہ :

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ۔ (النحل : ۴۴)

اور (اے نبیؐ) ہم نے آپؐ کی طرف ذکر یعنی قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ اُس چیز کو لوگوں پر اچھی طرح واضح کر دیں جو اُن کے لیے نازل کی گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کی تبیین یعنی تفسیر کرنے کی ذمہ داری سپرد کی گئی تھی۔ اور آپؐ کی حدیث و سنت قرآن ہی کی تبیین و تفسیر ہے۔

قرآن وحی جلی ہے اور حدیث و سنت وحی خفی یا یوں کہیے کہ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث و سنت وحی غیر متلو۔ دونوں ہی وحی ہیں اور ان کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور ہم اس وحی کی تعلیمات کے مکلف اور پابند ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ رسولؐ کی اطاعت کا حکم بھی بار بار دیا ہے کہ :

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ۔ (النساء : ۵۹)

اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو۔

بلکہ یہاں تک فرما دیا گیا کہ :

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا۔ (الحشر : ۷)

اور رسولؐ جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس بات سے منع کریں اُس سے رُک جاؤ۔